R. No. 2186/57 — Regd. No. L. 922.

انجمن ترقی اُردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

ٹیلیفون ۔ ۲۹
قیمت تین روپیہ سالانہ
فی پرچہ دس نئے پیسے

تاریخ اشاعت
۱-۳-۶۶

جلد ۲۵ ۔ شمارہ ۱۱ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۱۵ مارچ ۱۹۶۶ء

اداریہ

پنجابی صوبہ

جب ریاستوں کی نئی تنظیم ہوئی تھی تو اس میں زبان کو سب سے زیادہ اہمیت دی گئی تھی اور اس بنا پر پرانی ریاستوں کے حدود میں تبدیلی کی گئی تھی۔ اس وقت بمبئی کی ریاست کو گجرات اور مہاراشٹر کی ریاستوں میں تقسیم کرنے کا سوال ملتوی کر دیا گیا تھا مگر بالآخر حکومت کو عوام کے مطالبے کے سامنے سر جھکانا پڑا۔ اس طرح پنجاب کی تقسیم کا بھی سوال آیا تھا۔ مگر مختلف وجوہ سے پنجاب کے جو ایک دفعہ پہلے ہی تقسیم ہو چکا ہے مزید ٹکڑے کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا۔ لیکن پنجابی بولنے والوں کا یہ مطالبہ ہر طرح حق بجانب تھا کہ جب زبان کے اعتبار سے ریاستوں کی تقسیم کا اصول تسلیم کر لیا گیا تو پنجاب کے بارے میں اس پر عمل نہ کرنا کسی طرح درست نہیں۔ اب جا کر کانگریس کی ورکنگ کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ موجودہ پنجاب میں سے پنجابی بولنے والا علاقہ علیحدہ کر کے اسے ایک ریاست بنا دیا جائے۔ پنجاب کے بقیہ حصے کہاں جائیں گے یہ ابھی طے نہیں ہوا ہے اگر قرین قیاس یہ ہے کہ ہریانہ کی ایک علیحدہ ریاست بنے گی اور وہ پہاڑی علاقے جن میں پنجابی بولی جاتی ہے وہی پنجابی ریاست میں شامل ہوں گے۔ یہ فیصلہ صرف زبان کی بنا پر ہوا ہے لیکن کچھ لوگ تنگ نظری کی وجہ سے اسے سکھوں اور ہندوؤں کا سوال بنا رہے ہیں۔ ریاستوں کی تقسیم لسانی اعتبار سے درست ہے لیکن مذہبی فرقوں کے اعتبار سے سیکولر ہندوستان میں کسی طرح صحیح نہیں ہوگی۔ اس میں شک نہیں کہ اب پنجابی صوبہ اور ہریانہ پرانت دو چھوٹی چھوٹی ریاستیں ہوں گی، لیکن فی الحال یہی طریقۂ کار مناسب ہوگا۔ ہاں اس پر ضرور غور کرنا چاہیے کہ ریاستوں کی تنظیم کی کمیٹی میں سردار پانیکر نے جو تجویز پیش کی تھی اس پر اگر عمل کیا جائے تو کیا حرج ہے۔ ہمارے خیال میں لسانی اعتبار سے ہریانہ، دہلی، میرٹھ، روہیل کھنڈ اور آگرہ کی کمشنریاں، ایک وحدت رکھتی ہیں۔ اور اگر ان سب کو ایک ریاست بنا دیا جائے تو یہ علاقہ مالی اعتبار سے بھی خود کفیل ہوگا اور اس میں ایک لسانی اور تہذیبی وحدت بھی ہوگی۔ صرف ہریانہ کا علاقہ مالی اعتبار سے مرکز کی گراں قدر امداد کا بہت طویل عرصے تک محتاج رہے گا۔ اس کے ساتھ یہ بات کہنا بھی ضروری ہے کہ ریاستوں کی تنظیم کے مسئلے کو ہنگامے کے ذریعہ سے طے نہیں کرنا چاہیے۔ اس کے سلسلے میں تمام اعداد و شمار جمع کرنا چاہئیں۔ لسانی، انتظامی، اقتصادی، تہذیبی سب پہلوؤں پر غور کرنا چاہیے اور پھر جمہوری طریقوں کے مطابق فیصلہ کرنا چاہیے۔ ایسا نہ ہونا چاہیے کہ علاقائی پاسداری پورے ملک کی وحدت کو خطرے میں ڈال دے۔ ہمیں بہرحال یاد رکھنا چاہیے کہ ملک کی وحدت اور قومی یک جہتی سب سے بڑی چیز ہے اور اسے ہر حال میں برقرار رکھنا ہے۔ ہاں ہمارے خیال میں لسانی بنیادوں پر ساری ریاستوں کی تنظیم سے اس وحدت میں مدد ملے گی کیوں کہ پھر ہر قومی زبان کو پورے طور پر ترقی کرنے کا موقع ملے گا۔ بدقسمتی سے اردو بولنے والے کسی ریاست میں اکثریت میں نہیں ہیں، لیکن اگر ہریانہ، دہلی اور مغربی اترپردیش کی ایک ریاست وجود میں آتی ہے تو اس طرح اردو بولنے والوں کی تقریباً ایک چوتھائی تعداد ہوگی اور اس ریاست میں

اس شمارے میں

ہندی اور اردو دونوں کو سرکاری زبان بنایا جا سکے گا۔ ارباب فکر اور محبان وطن سے ہم یہ درخواست کرتے ہیں کہ سنجیدگی سے اس مسئلے پر غور کریں۔ فی الحال ہم پنجابی صوبے کی تجویز کا خیر مقدم کرتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ اب اس اہم سرحدی علاقے میں سکون اور اطمینان سے ملک کو مضبوط کرنے اور قومی وحدت وسالمیت کو برقرار رکھنے کے لیے ہر ممکن کوشش عمل میں آسکے گی۔

ذوالنورین کا انتقال

لکھنؤ۔ ۷ رمارچ۔ ادبی حلقوں میں یہ خبر بڑے رنج وافسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ جناب ذوالنورین آئی۔ اے۔ ایس کا جمعہ کے دن عارضۂ قلب کی وجہ سے دہلی میں انتقال ہو گیا۔ ذوالنورین شعروادب سے گہری دلچسپی رکھتے تھے اور خود بڑے اچھے شاعر تھے۔ اپنی اعلیٰ صلاحیت، ادبی ذوق، خدمت خلق کے جذبے اور شرافت اور وضعداری کی وجہ سے عوام اور خواص میں یکساں مقبول تھے۔ عین جوانی میں ان کا اس طرح دنیا سے رخصت ہو جانا بڑا حسرتناک ہے۔ ادارہ "ہماری زبان" ان کے انتقال پر اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کرتا ہے اور ان کی بیگم اور دوسرے عزیزوں سے گہری ہمدردی ظاہر کرتا ہے۔

مجلس نذر عرشی کے زیر اہتمام
جناب امتیاز علی عرشی کی اکسٹھویں سالگرہ

نئی دہلی۔ ۱۱ رمارچ۔ اردو کے چوٹی کے محقق اور عالم جناب امتیاز علی عرشی کی اکسٹھویں سالگرہ کے سلسلے میں ایک خاص تقریب سپرو ہاؤس نئی دہلی میں ۲۰ رمارچ ۶۶ء کو ہو رہی ہے۔ اس تقریب کا اہتمام مجلس نذر عرشی نے کیا ہے جس کے سکریٹری جناب مالک رام ہیں۔ تقریب کی صدارت نائب صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین کریں گے۔ اس موقع پر امتیاز علی عرشی صاحب کی خدمت میں ایک یادگاری کتاب بھی پیش کی جائے گی جس میں ہندوستان، پاکستان اور دوسرے ممالک کے اہل علم اور ادیبوں کے اپنے موضوع پر مضامین ہیں اور جس کا ایک حصہ حضرت عرشی کے کارناموں سے متعلق ہے۔ (نامہ نگار)

جدید ہندوستانی زبانوں کی نشوونما کیلئے مشاورتی کمیٹی کا قیام

نئی دہلی۔ ۱۰ رمارچ۔ حکومت ہند نے جدید ہندوستانی زبانوں کی نشوونما سے متعلق تمام معاملات کے بارے میں مشورے دینے کے لیے "بھارتیہ بھاشا سمتی" کے نام سے ایک کمیٹی قائم کی ہے۔ یہ کمیٹی ۱۵ ارکان پر مشتمل ہے۔ مرکزی وزیر تعلیم اور وزارت تعلیم کے زبانوں سے متعلق ڈویژن کے سربراہ نائب وزیر بالترتیب اس سمتی کے صدر اور نائب صدر ہوں گے۔ اس سمتی میں ہر ریاستی سرکار کا ایک نمایندہ شامل ہو گا جو کم از کم ڈائرکٹر آف ایجوکیشن سے کم نہ ہو گا۔ لوک سبھا سے چار اور راجیہ سبھا سے دو ارکان کے علاوہ مختلف جدید ہندوستانیوں سے متعلق ۱۶ ممتاز علما یا ادیب اور مخصوص مفادات کی نمائندگی کرنے والے ۱۵ سرکاری نمایندے بھی ممبروں کی حیثیت سے اس سمتی سے وابستہ ہوں گے ان کے علاوہ چند اور ممبر ہوں گے۔ (سیاست جدید)

روسی ادیبوں کی گرفتاری، دلی کے ادیبوں کا احتجاج

۲۰ رفروری ۶۶ء بروز اتوار۔ دلی کے نمایندہ شاعروں اور ادیبوں کی ایک نشست اردو بازار میں منعقد ہوئی جس میں روسی ادیبوں اینڈ۔ری سینیاوسکی اور یو۔ری ڈینیل کی گرفتاری پر گہرے دکھ کا اظہار کیا گیا اور متفقہ طور پر ایک ریزولیشن پاس کیا گیا اور طے کیا گیا کہ اس کی ایک نقل سوویت ایمبیسی کو بھیجی جائے۔ ریزولیشن اردو کے مشہور شاعر جناب بسمل سعیدی نے پیش کیا اور نوجوان شاعر کمار پاشی نے اس کی تائید کی۔ (نامہ نگار)

احمد آباد میں "جشن حزیں"

گجرات کے کہنہ مشق اور مشہور و معروف شاعر جناب حزیں قریشی صاحب کی تیس سالہ ادبی خدمات کے اعتراف نیز آپ کے دیوان کی طباعت کے سلسلہ میں شہر کے سرکردہ اردو کارکنوں، ادیبوں و شاعروں کا ایک مشاورتی جلسہ قریشی منزل میں ۲۰ رفروری کو سید مولانا حبیب الرحمٰن صاحب غزنوی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ (جاوید انصاری)

دیوان حافظ کے غیر زبانوں میں ترجمے

حافظ کے دیوان کا متعدد غیر ملکی زبانوں میں ترجمہ کیا گیا جن میں سے کچھ کی تفصیل یہ ہے:۔

(۱) ۱۸۱۲ء میں وان ہمبر پرگشتال نے جرمن زبان میں ترجمہ کیا۔
(۲) ۱۸۷۵ء میں ایس رابن سن نے انگریزی زبان میں ترجمہ کیا۔
(۳) ۱۸۸۹ء میں اے راجرز نے انگریزی میں ترجمہ کیا۔
(۴) ۱۸۹۳ء میں ایچ بیک آرچی نے انگریزی میں ترجمہ کیا۔
(۵) ۱۸۹۷ء میں گرٹروڈ بیل نے انگریزی میں ترجمہ کیا۔
(۶) ۱۸۹۱ء میں ایچ۔ ولبر فورس کلارک نے انگریزی نثر میں پورا دیوان منتقل کیا۔
(۷) ۱۸۵۸ء میں وسنسز وان روزن زوگ نے وی آنا میں دیوان کا فارسی متن اور جرمن ترجمہ پیش کیا۔
(۸) ۱۸۶۵ء میں جی۔ ایچ۔ ایف نیسل مین نے جرمن میں ترجمہ کیا اور برلن سے شایع کیا۔ (کتابی دنیا)

نیر اقبال

کیٹلر اور اس کی ہندستانی زبان کی قواعد

علم و ادب کی تاریخ میں بارہا ایسا ہوا ہے کہ عصری ضرورتوں کے پیش نظر بڑے بڑے اہم علمی و ادبی و فنی کارنامے تالیف و تصنیف کیے گئے انھوں نے اپنے زمانوں میں بڑی مقبولیت بھی حاصل کی اور پھر گزرتے ہوئے وقت کے لاپرواہ قدموں سے اڑتی ہوئی دھول میں تہہ در تہہ دبتے چلے گئے اور آہستہ آہستہ زمانے کے حافظے سے محو ہو گئے۔ اور پھر ایسا ہوا کہ کھوئے ہوئے خزانوں کے متلاشی کسی جواں ہمت عالم نے انھیں تلاش کیا پایا اور جھاڑ پونچھ کر علمی حلقوں کے سامنے پیش کر دیا۔ اور لوگ تعجب میں رہ گئے کہ وہ کیا کچھ کھوئے بیٹھے تھے۔

ہندستانی زبان کی پہلی قواعد کو ہم کوئی بڑا علمی و فنی درجہ نہیں دے سکتے۔ البتہ اس بات پر تعجب کرنے میں حق بجانب ہیں کہ اس زبان کی پہلی قواعد ڈچ زبان میں تالیف ہوئی تھی اور اس کا مولف نسلاً جرمن تھا۔ یہ قواعد ڈچ زبان میں تھی اور یہ ایسی زبان تھی جو صرف ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازموں کے لیے ہی افادی ہو سکتی تھی۔ ہندوستان کے اندر ڈچ تجارتی میدان میں فرانسیسیوں اور انگریزوں سے بڑی جلدی شکست کھا گئے اور ان سے متعلق تقریباً تمام ہی چیزیں ہندوستانی حافظے نے بھلا دیں۔ اس طرح ہندوستانی زبان کی قواعد کا یہ نقش اول لوگوں کی نظروں سے ایک لمبے عرصے کے لیے اوجھل ہو گیا۔ آخر اٹھارویں صدی اور تقریباً پوری انیسویں صدی میں ہندستانی زبان و ادب پر عمل کرنے والے کسی بھی عالم نے اس کا حوالہ نہیں دیا ہے۔

اور پھر اس کی بازیافت انیسویں صدی کے اواخر میں اطالوی مستشرق سگنور ٹیزا کے ہاتھوں ہوئی۔ بات یوں شروع ہوئی کہ سر ابراہیم گریرسن نے ایک مقالہ "یوروپ میں ہندستانی ورناکیولر زبانوں کا ابتدائی مطالعہ" کے نام سے پڑھا۔ بعد میں یہ مقالہ ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل میں شائع ہوا۔ اس میں ہندستانی زبان کا سب سے پہلا قواعد نویس "شلز" کہا گیا تھا۔ اطالوی مستشرق ٹیزا نے اس مقالہ پر ایک نوٹ "رئیل اکیڈمی روم" کے سامنے پیش کیا۔ اس نوٹ میں شلز سے بھی پہلے تالیف ہونے والی ایک قواعد پر روشنی ڈالی گئی تھی جس کا مولف ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کا ایک اعلیٰ عہدے دار جان جوشوا کیٹلر تھا۔ ٹیزا کو اس کا حوالہ شلز سے فراہم ہوا تھا۔ خود ٹیزا کو بھی یہ قواعد دستیاب نہیں ہو سکی تھی۔

شلز نے اپنی قواعد کے دیباچہ میں اس قواعد کا تذکرہ کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کیٹلر نے اس قواعد کو اپنے آگرے کے قیام کے دوران میں تالیف کیا تھا اور "بیلجک" زبان میں لکھا تھا۔ شلز سے ہم کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس قواعد کا لاطینی ترجمہ ۱۷۴۳ء میں ڈیوڈ مل نے شائع کیا تھا۔ شلز کے دیباچہ سے اس قواعد کے تالیف ہونے کے سنہ کا پتہ نہیں چلتا اس لیے ٹیزا اور گریرسن وغیرہ ہم انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل کے مستشرقین اس کو سترھویں صدی کے اوائل کی تالیف سمجھتے رہے۔ ان لوگوں کے ذریعہ فراہم کردہ کیٹلر کے سوانحی حالات بھی کچھ زیادہ تفصیلی نہیں ہیں۔

ہندستانی زبان کی پہلی قواعد اور پہلے قواعد نویس کے بارے میں جامع اور مکمل معلومات کرن انسٹیٹیوٹ ہالینڈ کے ایک محقق ڈاکٹر جے پی۔ ایچ ووگل نے فراہم کیں۔ انھوں نے اس سلسلے میں مکمل تحقیق کر کے متعدد مقالات سپرد قلم کیے ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ کیٹلر نے یہ قواعد اپنی کمپنی کے ملازمین کے پیش نظر ڈچ زبان میں تالیف کی تھی۔ اور اس کے اصلی مسودے کا ایک قلمی نسخہ اسٹیٹ ریکارڈ آفس ہیگ ہالینڈ میں اب بھی موجود ہے۔ اس قلمی نسخے کو کمپنی کے ایک ڈچ کلرک نے ۱۶۹۸ میں لکھنؤ میں تیار کیا تھا اس سے پتہ چلتا ہے کہ قواعد ۱۶۹۸ سے قبل تالیف کی گئی ہے ووگل کی تحقیقات کے مطابق کیٹلر ۱۶۹۵ میں آگرے میں اسسٹنٹ کے عہدے پر فائز ہوا۔ شلز کہتا ہے کہ یہ قواعد کیٹلر نے آگرے کے دوران قیام میں لکھی ہے۔ اگر ان دونوں باتوں کو یکجا کر لیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ قواعد ۱۶۹۵ اور ۱۶۹۸ کے درمیان تالیف ہوئی ہوگی۔

۱۷۴۳ میں ڈیوڈ مل نے اسلام انجیل اور مشرق کے بارے میں متفرق مقالات مرتب کر کے شائع کیے مشرقی حصے کا پہلا باب کیٹلر کی قواعد کے لاطینی ترجمہ پر مشتمل تھا اور مجموعہ کے ۳۲ صفحات ص۴۵۵ لغایت ص۴۸۸ پر حاوی ہے اس مجموعہ میں علاوہ اس قواعد کے تین لغات بھی کیٹلر کے نام منسوب کیے گئے ہیں۔

مشرقی متفرقات کا دوسرے باب کا پہلا حصہ فارسی گرامر پر مشتمل ہے۔ اور یہ بھی کیٹلر کی تالیف ہے۔ یہ اس کی فارسی زبان کی قواعد ہے جو ہندستان اور ہندستانی مسلمان بادشاہوں کے دربار میں بولی جاتی تھی۔ یہ قواعد بہت مختصر ہے اس کے خاتمہ پر تقریباً ۱۴۰ افعال کی فہرست ہے جو تین کالموں میں لاطینی ہندستانی اور فارسی میں دی گئی ہے۔ اس کے بعد ۱۶۵۰ الفاظ کی ایک لغت ہے جو لاطینی ہندستانی فارسی اور عربی میں ہے اس کے بعد دوسرے باب کے دوسرے حصے میں ایسے الفاظ کی فہرست ہے جو کیٹلر کو ہندستانی کے مترادف ہندستانی سے کچھ علاحدہ معلوم ہوئے تھے۔ فارسی اور عربی الفاظ عربی رسم الخط میں ہیں جبکہ ہندستانی ہر جگہ رومن میں درج کی گئی ہے۔

۱۹۲۱ میں ہی کی یہ تالیف ڈاکٹر سنیتی کمار چٹرجی کو دستیاب ہوگئی اور انھوں نے کیٹلر کی قواعد کے بارے میں ایک تفصیلی مقالہ سپرد قلم کیا۔ جو لنگوئسٹک سوسائٹی کے جرنل کے گریرسن یادگاری نمبر ۱۹۳۶ میں شائع ہوا۔

کیٹلر کی قواعد دیوناگری حروف تہجی پر ایک نوٹ کے ساتھ شروع ہوتی ہے نوٹ کے ساتھ ساتھ تین پلیٹیں ناگری حروف تہجی کی اور ایک بنگلہ حروف تہجی کی بھی کتاب میں شامل ہیں۔ ان پلیٹوں میں حروف کے ٹرانسلٹریشن کے سلسلہ میں خاصہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہ اختلاف ہند آریائی صوتیات کے ارتقا کی مختلف کڑیوں کی نشاندہی کر سکتا ہے۔

کٹلر نے ہندستانی زبان کی قواعد کے مندرجہ ذیل اصولوں کی وضاحت کی ہے۔

اسم کی تعریف، مونث اور مذکر دونوں جنسوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ لیکن حالت اضافی اور صفت کی تانیث کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

اس نے تعریف کے لحاظ سے اسما کو چار قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ اسما الف پر ختم ہونے والے ۲۔ اسمائے ی پر ختم ہونے والے
۳۔ اسما او پر ختم ہونے والے ۴۔ اسما حروف صحیح پر ختم ہونے والے

تصریفی لاحقوں میں مفعول بالواسطہ کے لیے دو علامتیں "کوں" اور "واسطے" دیتا ہے حالت ظروی کی علامت "سے" کی متعدد شکلیں دی ہیں۔ "سے" "سیں" "سوں" "نے" کے استعمال کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا ہے۔

ضمائر کیٹلر ضمائر شخصی کی واحد اور جمع اشکال سے واقف تھا۔

میں	ہم
تو	تم

ساتھ ہی وہ ضمائر شخصی متکلم و حاضر جمع کے واحد میں تعظیمی استعمال سے بھی واقف تھا کیٹلر نے ضمائر کی مونث اور مذکر شکلوں کی بھی وضاحت کی ہے۔ میری۔ تیری۔ ہماری۔ تمہاری لیکن اس قاعدے کو سختی سے برتا نہیں ہے۔ مثلاً مثالوں میں "ردئی ہمارے" اور "اس کا لونڈی" بھی موجود ہے۔

اشتقاقی الفاظ۔

اسمائے اشتقاقی۔ اسمائے صفاتی۔ اسم یا صفت میں "ی" کے اضافے سے بنائے جاتے ہیں۔

خوب	خوبی
الس	السی
اندھیر	اندھیری

صفات کی تفصیل، کالا، اس سے کالا، سب سے کالا

لاحقوں کے ذریعے اشتقاقی الفاظ

گار	گناہ گار
دار	زمیندار
آر	سنار
چی	توپ چی
والا	لکڑی والا
داز	تیر انداز
دار	دغا دار
ن	دھوبن۔ مالن۔ جوگن

احترام اور پیار کا لاحقہ "جی" باپ جی۔ صاحب جی۔ بی بی جی۔ بیٹا جی۔ بیٹی جی۔

افعال۔ افعال کے رشتے کے انداز سے پتہ چلتا ہے کہ

(۱) اس کی ہندستانی بے قاعدہ اور بازاری ہے

(۲) افعال کی تانیثی اشکال کو نہیں جانتا

(۳) فعل متعدی کے صیغہ ماضی کے طور مجہول کی صحیح شکلوں سے واقف نہیں ہے۔

(۴) تینوں شخصی صیغے واحد اور جمع دونوں حالتوں میں ایک ہی شکل رکھتے ہیں۔

(۵) مستقبل کے صیغے میں واحد متکلم کا فعل غائب اور حاضر کے ساتھ بھی مستعمل ہے۔

(۶) جمع میں اس فعل کے آخری الف کی آواز "ے" میں بدل گئی ہے۔

(۷) اس نے فعل کے غنائی صیغوں اور سادہ صیغوں کو مستقبل کی دو الگ الگ گردانیں قرار دی ہیں۔

مستقبل اول۔

واحد میں۔ تو۔ وہ۔ کرونگا
جمع ہم۔ تم۔ ان نے۔ کرونگے

مستقبل ثانی۔

واحد میں۔ تو۔ وہ۔ کرینگا
جمع ہم۔ تم۔ ان نے کرینگے

طور مجہول۔ فعل "سیکھنا" کا

واحد مجے تجے اکوں سیکھے
جمع ہم کوں۔ تم کوں۔ ان نے کوں سیکھے

I am taught. thou art taught etc..

I am deceived مجے پھسلواتے۔

افعال معطوفہ۔ دونوں تعدادی اور تینوں شخصی تبدیلیاں قبول کرتے ہیں۔

شاید یہ تب میں سکھایا ہوا۔ شاید وہ حجام کر دیا، ہوا۔

(باقی صفحہ ۰)

غزلیں

باقر مہدی

کیسے کہدیں سرکشی کا حوصلہ باقی نہیں
ہاں مگر اے دوستو تم سے گلہ باقی نہیں

ایک شعلہ رات کو تھکتا ہے اکثر رکھ کے
وہ بغاوت کا پیام، سلسلہ باقی نہیں

اک خلش اک جستجو ہی کا سہارا رہ گیا
ہر نیا بت توڑنے کا ولولہ باقی نہیں

اک سراب بیکراں ہے دور تک جائیں کہاں
اک غبار بے نوا ہے قافلہ باقی نہیں

اپنی غزلیں صبح دم باقر جلا دیتے ہو کیوں
کیا یہاں اب شاعری کا کچھ صلہ باقی نہیں!

آزاد گلاٹی

رات یوں دل میں تری یاد کے لشکر آئے
جیسے رگ رگ میں کسی درد کے خنجر آئے

دشت احساس پہ چھانے لگی تپتی ہوئی ریت
جب بھی دم بھر کو ترے پیار کے ساگر آئے

اس طرح خلوت دل میں ہیں ترے قرب کے دن
جیسے دلہن کے شبستاں میں زیور آئے

غم کے طوفانوں کی اک زد تو گوارا تھی مگر
غم تو یہ ہے کہ یہ خود ہم کو ڈبو کر آئے

ساز دل چھیڑ کے پھر درد کی مضراب آزاد
شعر کی دیوی یہ بن کر کوئی جادوگر آئے

صبا جائسی

رسوا ہوئے جو اہل خبر سوچنا پڑا
کیا چیز ہے یہ ذوق نظر سوچنا پڑا

یہ وقت ہی کی بات ہے اے یار خوش نظر
اب ہم بھی اہل ربط و ہنر سوچنا پڑا

میری وفا پہ تم نے لگے الزام یوں لگا
کچھ دیر تک بنظر دگر سوچنا پڑا

منزل کا ہے پتہ نہ گزرگاہ کی خبر
کیوں ہو گئے شریک سفر سوچنا پڑا

اپنی دعا میں کونسی خامی ہے دوستو
نم ہو گئی جو چشم اثر سوچنا پڑا

کیا رہگذار یار سے ہم سب بھٹک گئے
اڑتی نہیں جو گرد سفر سوچنا پڑا

اب مہر نیمتاب سے کیسے نگاہیں ملیں
بجھنے لگی جو شمع سحر سوچنا پڑا

کیا حسن و عشق کی بھی قدریں بدل گئیں
غم ہو گیا جو خاک بسر سوچنا پڑا

اقبال ردولوی

قصر خرد پہ برق سی لرزاں ہے دوستو!
شاید قریب فصل بہاراں ہے دوستو!

پھر چاک چاک عقل کا داماں ہے دوستو!
پھر منفعت وہ فتنۂ دوراں ہے دوستو!

کیا جنوں نواز سایہ ہے ابر بہار کا
گویا کسی کی زلف پریشاں ہے دوستو!

کلیاں کھلی ہوئی ہیں کہ پریاں ہیں رقص میں
یہ گلستاں نہیں ہے پرستاں ہے دوستو!

آپس کے اختلاف کو دل سے نکال دو
خطرے میں اب بھی سارا گلستاں ہے دوستو!

ہم جیسے سادہ دل سے بھی کی شوخیاں
کتنی شریر گردش دوراں ہے دوستو!

کچھ گلبدن ہیں جب سے گئے اس دیار سے
اس وقت سے یہ شہر بیاباں ہے دوستو!

اتنا اداس پہلے کا انساں ہوا نہیں
جتنا اداس آج کا انساں ہے دوستو!

اقبال فرید

ان کے وعدوں کا اعتبار کہاں
دل مضطر کو ہے قرار کہاں

لے گئی وہ تو ایک جان بہار
اپنے گلشن میں ہے بہار کہاں

ان پہ سب کچھ لٹا دیا پھر بھی
ہے انہیں ہم پہ اعتبار کہاں

مجھ کو تاریکیوں سے الفت ہے
چاندنی رات میں قرار کہاں

آرزوؤں کی انتہا مت پوچھ
وصل کے بعد بھی قرار کہاں

جو وہ کہتا ہے مان لیتا ہے
دل پہ اب اپنا اختیار کہاں

زندگی ہے تو اک عذاب فرید
زندگی سے مگر فرار کہاں

صدمۂ جانکاہ

امیر چند بہار

(سابق وزیر اعظم لال بہادر شاستری کی مرگ ناگہانی سے متاثر ہو کر)

سحر ہوتے ہی یہ کیسی خبر سننے میں آئی ہے
فضا مغموم ہے افسردگی ہر سمت چھائی ہے
خبر دی ریڈیو نے شاستری جی کے گذرنے کی
ہمارے ملک کے سب سے بڑے رہبر کے مرنے کی
سرے دہر سے رخصت ہوا وہ مرد لاثانی
جو کل تک کر رہا تھا امن عالم کی نگہبانی
کبیدہ تھی ابھی دنیا جواہر لال کے غم سے
بپا تھا دل میں اک طوفان ان کے شور ماتم سے
ہوا ہے ناگہاں اک اور ہم پر ہو گیا نازل
نہ تھا ہندوستاں اس صدمۂ جانکاہ کے قابل
ضرورت تھی ابھی بھارت کو ایسے رہنماؤں کی
بہادر جاں نثاروں کی بجائے پیشواؤں کی
جو مشکل سے کڑے دشوار کو آسان کر ڈالیں
جو ہنس ہنس کر وطن پر جان و تن قربان کر ڈالیں
وہ اک خواب حسیں دیکھا تھا جو عہد غلامی میں
کرن امید کی جو بن گیا یاس و اداسی میں
ابھی شرمندۂ تعبیر بھی ہونے نہ پایا تھا
ابھی دامن سے داغ بیکسی دھلنے نہ پایا تھا
ابھی راحت میسر کب ہوئی تھی غم کے ماروں کو
ابھی مجبور کی آنکھیں ترستی تھیں بہاروں کو
جہالت کو، غریبی کو، ابھی یکسر مٹانا ہے
ابھی واپس فراغت کا سنہرا دور لانا ہے
ضرورت تھی تجھ ایسے آبرو پر مرنے والوں کی
وطن کی بے غرض، بے لوث خدمت کرنے والوں کی
کہ حب وطن سے دل ترا سرشار رہتا تھا
ہمیشہ اپنی قربانی کو تو تیار رہتا تھا
مجسم خاکساری تھا، سراپا بردباری تھا
لہو مہر و محبت کا تری رگ رگ میں جاری تھا
نہایت جاں گسل تیری یہ مرگ ناگہانی ہے
قضا نے کیوں ہمیں برباد کرنے کی ٹھانی ہے
وطن کی سرزمیں کو سیکڑوں خطروں نے گھیرا ہے
نظر جس سمت اٹھتی ہے اندھیرا ہی اندھیرا ہے
ہے پھر کشتی ہندوستاں کا ناخدا کوئی
میسر ہو تو ہے ہی قرینے کا رہنما کوئی

صفحہ ۴ سے آگے

شاید تو موا ہوا　　شاید تم بیاہ کیے ہوئے

قواعد کے خاتمہ پر احکام الیہ کا ترجمہ ہے۔ جو غالباً ہندستانی زبان میں کسی بھی یورپی زبان سے کیا ہوا پہلا ترجمہ ہے۔ ترجمہ میں کوئی خوبی نہیں ہے۔

اواخر سترھویں اور اٹھارویں صدی میں تالیف ہونے والی ہندستانی زبان کی قواعدیں فن قواعد نویسی کے اعتبار سے انتہائی ناقص ہیں۔ یہ زبان کی ارتقائی کڑیوں کی تلاش میں بھی بہت زیادہ دور تک ساتھ نہیں دیتیں۔ ان قواعدوں کے مؤلفین زبان کے مزاج سے نا آشنا تھے۔ زبان کی مبادیات سے بھی ان کی واقفیت ناپختہ تھی۔ اس لیے اس میں افعال اسما ضمائر وغیرہ کی تعریف اور نحو کے اصولوں کی وضاحت غلط بنیادوں پر کی گئی ہے۔

بحیثیت مجموعی تلفظ کے اعتبار سے بھی یہ قواعدیں عصری زبان کی صحیح ترجمانی نہیں کرتیں۔ اوّل تو قواعد نویسوں کے کان ہندستانی آوازوں کو صحیح طور پر درک کرنے کے ناقابل تھے دوسرے ان کے Transcription کے طریقے غیر سائنسی تھے۔ ان دونوں خامیوں کی وجہ ان قواعدوں میں زبان کا جو ہیولا پایا جاتا ہے۔ وہ زبان کے اصلی ہیولے سے رسمی سا تعلق رکھتا ہے۔

حالانکہ کیٹلر کی قواعد نقش اوّل ہے لیکن پھر بھی اس کے مؤلف نے نسبتاً زبان کی مبادیات کو خاصی گہری نظر سے پرکھا تھا۔ گریرسن نے قواعد دانوں کو پرکھنے کے لیے ایک کسوٹی مقرر کی ہے۔ (۱) یہ قواعد نویس تے نے۔ کے استعمال کو سمجھتے تھے یا نہیں۔

(۲) ضمائر شخصی کی جمع جانتے تھے یا نہیں۔ کیٹلر کو نے۔ کا استعمال نہیں معلوم تھا لیکن ضمائر شخصی کا اس نے صحیح تجزیہ کیا ہے۔ کیٹلر کی قواعد آگرے میں مرتب ہوئی تھی اس میں جو زبان ملتی ہے وہ دکنی زبان سے مختلف ہے۔ مثلاً تاکیدی لاحقے ہی ۔ بیچ ۔ بیچا کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا ہے۔

۱۷۰۰ء سے پہلے شمالی ہند میں اردو کن منازل سے گزری اس سلسلے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ایسے بہت کم نمونے دستیاب ہوتے ہیں جن کی مدد سے ان کڑیوں کی نشان دہی کی جاسکے۔ اس لحاظ سے یہ قواعد بے حد اہم ہے وہ اواخر سترھویں صدی میں بولی جانے والی شمالی ہندستانی اردو پر روشنی ڈالتی ہے۔

فنی اعتبار سے کیٹلر کی قواعد بنیادی طور پر یونانی رومی طریقہ سے تعلق رکھتی ہے۔ ہندستانی پر لاطینی گردانوں کا اطلاق کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ نہ صرف یہ قواعد توضیحی ہے بلکہ normative بھی ہے۔ یہ بھی غالباً یونانی رومی طریق مطالعے کی دین تھی کہ قواعد نویس کی نگاہ ضمائر کے تعظیمی درجوں پر بھی پڑی۔

سوانحی حالات۔

ہندستانی زبان کا پہلا قواعد نویس جون جوشوا کیٹلر مشرقی پروشیا کے قصبہ ایلبنگ میں پیدا ہوا۔ یہ شہر ڈینزگ کے قریب بحر بالٹک کے ساحل پر آباد تھا۔ اس کا اصلی خاندانی نام کیٹلر تھا۔ لیکن جب وہ ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت میں داخل ہو گیا تو اس کے نام کو ڈچ انداز میں کیٹلار پکارا جانے لگا۔

جون جوشوا کیٹلر کی پیدائش ایک جلد ساز جوشوا کیٹلر کے گھر ۲۵ دسمبر ۱۶۵۹ کو ہوئی یہ اپنے والدین کا پہلا بچہ تھا۔

ووگل نے پرانے سرکاری ریکارڈس اور قصبے کی تاریخوں سے اس کے بچپن کے بارے میں معلوماتی مواد فراہم کیا ہے۔ اس کے مطابق کیٹلر بچپن میں کچھ ہونہار اور ایماندار نہیں تھا۔ اس کے والد نے کام سیکھنے کے واسطے اس کو ایک ماہر جلد ساز کی نگرانی میں دیدیا۔

کیٹلر نے اپنے مالک کے ساتھ بے حد خراب سلوک روا رکھا وہ اس کی رقوم غائب کر دیا کرتا تھا۔ پھر ایک بار اس کا گھوڑا لیکر فرار ہو گیا۔ مالک نے پکڑ ڈالیا۔ اس وجہ سے کیٹلر مالک کا دشمن ہو گیا۔ اور اس کو سنکھیا دیدی لیکن فوری امداد مل جانے کی وجہ سے مالک کی زندگی بچ گئی۔ یہ واقعہ ۵ اکتوبر ۱۶۸۰ کو پیش آیا تھا۔ اس وقت جون جوشوا کیٹلر کی عمر ۲۱ سال کی تھی مالک بے حد اچھا تھا۔ اس نے کیٹلر کو کوئی اور سزا نہیں دی صرف اپنے یہاں سے نکال دیا۔ کیٹلر اسی شام کو ڈینزگ کے لیے روانہ ہو گیا۔ وہاں پہونچ کر اس نے ایک جلد ساز کی دکان پر نوکری کرلی۔ لیکن اس کے اطوار میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہاں بھی اس نے کچھ روپیہ چرایا اور سوئڈن کے دار الخلافہ اسٹاک ہالم کو بھاگ گیا۔

اس کے بعد ڈیڑھ سال تک وہ کس کام میں مصروف رہا اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ ۱۶۸۲ کے بہار کے موسم میں وہ اسٹرڈم میں تھا۔ شاید ہندستان کی بے پناہ دولت کی طلسمی کہانیوں سے مرعوب ہو کر وہ ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی میں ملازم ہو گیا۔ ان کہانیوں سے متاثر ہو کر اکثر غریب جرمن کمپنی کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنس جایا کرتے تھے۔ اس ملازمت

میں داخل ہونے کے بعد سے ہم کو اس کے بارے میں معلومات فراہم ہوتی چلی جاتی ہیں۔

ایسٹ انڈیا کمپنی میں پہونچ کر کیٹلر کا نام کیٹلار ہو گیا یہاں اس نے اپنے عادات و اطوار میں نمایاں تبدیلی کی اور اس کے بعد وہ ترقی کے منازل طے کرتا چلا گیا۔

مئی ۱۶۸۲ کو کیٹلار ٹیکسل سے کمپنی کے جہاز پر ہندستان کے لیے روانہ ہوا اس وقت اس کی حیثیت معمولی سپاہی کی تھی۔

اس کے بعد مسٹر روس سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۶۹۱ میں سورت کی کمپنی کی ماتحتی میں وہ بروچ میں اسسٹنٹ کے عہدے پر مامور تھا ۱۶۹۵ میں آگرے میں اسسٹنٹ تھا۔ ۱۶۹۶ میں احمدآباد کی فیکٹری کا بک کیپر تھا۔ ۱۷۰۰ میں وہ پھر آگرہ بھیجا گیا۔ اس وقت وہ بک کیپر اور صوبائی "ناظم اعلیٰ" کے عہدے پر مامور تھا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آگرے کے پہلے سفر کے دوران لکھنؤ بھی گیا تھا اور ۱۶۹۸ میں اس نے وہاں اپنی نگرانی میں ہی اپنے تالیف کردہ ہندستانی زبان کے قواعد کی ایک نقل بھی تیار کروائی تھی۔

۱۷۱۰ میں گجرات اور ہندستان کی ڈچ فیکٹریوں کے ڈائرکٹر مسٹر کورنیلس بیزر (جن کے تحت شاہ عالم بہادر شاہ کے دربار میں ایک سفارتی وفد روانہ کیے جانے کی تجویز پاس ہوئی۔ لیکن قضائے الٰہی یہ شخص بیمار ہوا اور مر گیا۔ مرنے سے پہلے اس نے کیٹلر کو جو کہ اس وقت "ناظم اعلیٰ تجارت" تھا ڈچ فیکٹریوں کا ڈائرکٹر اور سفارتی وفد کا صدر مقرر کیا۔

۱۷۱۱ میں سورت سے سفارت روانہ ہوئی اور آگرہ ہوتی ہوئی ۱۰؍دسمبر ۱۷۱۱ کو لاہور سے ۴ کوس پر پہونچ گئی یہیں بادشاہ پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔

ایک کیتھولک پادری فادر فلکس کی ڈائری سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۰؍دسمبر ۱۷۱۱ کو ایک آرمینی بشپ اور کچھ جیسوئسٹ پادریوں نے باہر آکر اس کا استقبال کیا۔

ابھی وہ شاہی فرمان کے انتظار میں ہی تھا کہ ۲۸؍فروری ۱۷۱۲ کو بادشاہ کا انتقال ہو گیا۔ اور اس کے چاروں بیٹوں میں جنگ چھڑ گئی۔ کیٹلر کی ڈائری سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے بھی توقع کی گئی کہ وہ عظیم الشان کی مدد کرے گا۔ لیکن اس نے خرابی صحت کا بہانہ کر کے جان بچالی۔ آخرکار جہاں دار شاہ نے اپنے تینوں بھائیوں پر فتح پائی اور ۹ مئی ۱۷۱۲ کو دلی کے لیے روانہ ہو گیا۔ ڈچ سفارت خانہ بھی اس کے ساتھ تھا۔ موسم گرما کی وجہ سے سفر سخت پریشانی میں تمام ہوا۔ ۲۴؍جون کو دلی پہونچے۔

بڑی دشواریوں اور التوا کے بعد ۹؍اکتوبر ۱۷۱۲ تک کیٹلر اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکا پھر بھی دلی سے اس کی روانگی ۱۴؍اکتوبر سے پہلے نہیں ہو سکی۔ ۲۰؍اکتوبر کو وہ آگرہ پہونچا۔

بہزار دقت اور خرابی مالوہ کے چھوٹے راجاؤں اور ڈاکوؤں سے بچتا ہوا۔ آگرے سے گوالیار، نارور اور سارنگ پور اجین جھابند گودھرا اور بڑودا ہوتا ہوا ۱۰؍فروری ۱۷۱۳ کو سورت پہونچا۔ لیکن یہاں جو پہلی خبر اس کو ملی وہ یہ تھی کہ جہاندار شاہ کو فرخ سیر نے شکست دے دی۔ اس کا مطلب تھا کہ جو کچھ سہولتیں پہلے بادشاہ سے ملی تھیں وہ سب ختم ہو گئیں۔ اور یہ کہ تمام صعوبتیں جو جھیلی گئی تھیں بیکار ثابت ہوئیں۔

اس پوری کارروائی میں کیٹلر کا رول بڑا شاندار رہا۔ اس نے اپنے مقصد کی تکمیل اور فرائض کی ادائیگی میں جس خلوص اور لگن کا مظاہرہ کیا وہ قابل اعتنا ہے۔ کیٹلر نے بڑی سنجیدگی سے سفارت کے فرائض انجام دیئے اور راستے کی مشکلات اور خطرات کے درمیان وہ اپنے قافلہ کا بہترین قائد ثابت ہوا۔

ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی ہر بیسویں سال فارس کے بادشاہ کے پاس ایک سفارت بھیجا کرتی تھی۔ ۱۷۱۶ میں کیٹلر اس کا قائد چنا گیا اس سفر میں اس کے ساتھ ایک جرمن سپاہی یوہن گوٹلیب ودرس تھا۔ اس نے اس سفر کی روئداد لکھی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ کیٹلر مذہباً لوتھیرین تھا۔ اور تیس سال سے ہندستان میں تھا۔ ۱۷۱۶ کی جولائی کے آخر میں بٹاویا سے سفارت روانہ ہوئی اس کا عملہ بائیس آدمیوں پر مشتمل تھا۔ آٹھ ہفتوں کی مسافت کے بعد جہاز گمبرون (بندر عباس) آپہونچا۔ ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی نے شاہ ایران کو ۲ ہاتھیوں کی نذر بھی پیش کی تھی یہ ہاتھی جہاز کے لنگر انداز ہونے کے تیسویں دن بندر عباس پہونچے بندر عباس سے اصفہان تک مسافت ۸ ہفتے میں گھوڑوں پر طے کی گئی۔

اصفہان میں داخلہ جلوس کی صورت میں ہوا۔ ہاتھی گھوڑوں اور اونٹوں پر تحائف لادے گئے تھے سفیر اور اس کے عملہ کی سواری میں فارسی گھوڑے تھے۔ اس کروفر کی وجہ یہ تھی کہ ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی عموماً مشرقی بادشاہوں سے ملاقات کے دوران بہت ہی زیادہ طمطراق کا مظاہرہ کیا کرتی تھی۔ اس وقت شاہ حسین کی حکومت تھی یہ آخری صفوی بادشاہ تھا اس وقت اس کی عمر پچاس سال تھی۔

ودرس سے پتہ چلتا ہے کہ شہر کی حالت بہت خراب تھی ملک میں کال تھا لوگ فاقوں سے سڑکوں پر مر جایا کرتے تھے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ڈچ سفیر نے غریبوں میں روٹی اور شراب تقسیم کی۔

ڈائری سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کیٹلر کو مشرقی قوموں سے گہری دلچسپی تھی اور اس نے مشرقی لوگوں کے رسم و رواج

اور لباس کو ظاہر کرنے والی متعدد تصویریں بنائی تھیں۔

دورس کے سفرنامہ سے جارجیا اور خراسان کی بغاوت فرو کرنے کے لیے بھیجی جانے والی ایک مہم کا حال بھی معلوم ہوتا ہے۔ اس کے مطابق اس مہم کے سپاہیوں میں کوئی ڈسپلن نہیں تھا۔

کچھ مہینے کے قیام کے بعد اصفہان سے روانگی ہوئی جب پارٹی شیراز پہونچی تو سفیر کو بندر عباس کے ڈچ ڈائرکٹر سے اطلاع ملی کہ عربوں سے بھرے ہوئے دو جہاز ہرمز کے مقابل آ گئے ہیں۔ اور اس قلعہ کو ایرانیوں سے چھیننا چاہتے ہیں سفیر نے اپنے بارہ سپاہیوں کو جلد سے جلد بندر عباس پہونچنے کا حکم دیا۔ یہ لوگ سرپٹ دوڑتے ہوئے بارہ دن میں بندر عباس جا پہونچے اس عرصہ میں وہ صرف ۱۲ گھنٹے سوئے سفیر ۱۵ دن بعد پہونچ سکا۔ ۔ ۔ ۔ اسپاہیوں کے دستے کے ساتھ ایک ایرانی کمانڈر بھی بندر عباس پہونچ گیا۔ کیٹلر کی اس سے ملاقات ہوئی۔ کمانڈر نے سفیر سے وہ تمام جہاز فوج کی نقل و حرکت کے لیے مانگے جو بٹاویہ جانے کے لیے تیار کھڑے تھے۔ کیٹلر نے سختی سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا وہ خود کمپنی کا ملازم ہے۔ اور جہازوں کو اپنی مرضی سے اس طرح استعمال کرنے کا حق نہیں رکھتا۔

کمانڈر نے ڈچ کمپنی کی ناکہ بندی کر دی یہاں تک کہ ان کو تازہ پانی ملنا بھی بند ہو گیا۔ بڑی سخت پریشانی اٹھانی پڑی۔ پھر بھی کیٹلر اس کی شرائط قبول کرنے پر تیار نہیں ہوا۔ اسی دوران میں کیٹلر بڑے سخت بخار میں مبتلا ہو گیا۔ اور تین دن بیمار رہ کر راہی ملک عدم ہوا۔ ایرانی کمانڈر کو اپنے اقدام کے اس نتیجہ کی امید نہیں تھی۔ اس نے فوراً محاصرہ اٹھا لیا۔

بندر عباس سے نصف میل دور ڈچ قبرستان میں اس کو دفن کیا گیا۔ اس وقت اس کا ایک بھتیجا اس کے پاس موجود تھا۔ کیٹلر نے اس سفارتی مہم کا آغاز ۱۷۱۶ میں کیا تھا اور اس کا انتقال ۱۷۱۸ میں ہوا۔

پس ماندہ اثاثے میں سے اس کی وصیت کے مطابق پروٹسٹنٹ چرچ کو بھی بہت کچھ دیا گیا۔

ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی جرمنوں یا دوسرے یورپی ممالک کے باشندوں کو اپنی کمپنی میں بڑی تعداد میں شامل کیا کرتی تھی لیکن ان لوگوں کو ماتحت عہدوں پر ہی رکھا جاتا تھا۔ کیٹلر اکیلا غیر ملکی ہے جو اتنے ممتاز عہدے پر پہونچا۔

اس عروج میں جہاں کیٹلر کی ایمانداری خلوص اور محنت کا ہاتھ ہے وہاں اس کی مشرقی زبانوں سے واقفیت بھی ایک سبب ہے۔ زبانوں کے ایک جید عالم کی حیثیت سے اس کی خاصی شہرت تھی۔ ووگل کا خیال ہے کہ اس کی اس شہرت نے مغل اعظم کے دربار میں بھیجی جانے والی سفارت کا صدر منتخب ہونے میں بھی بڑا کام کیا۔

ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹر اپنے ملازموں کی مشرقی زبانوں سے واقفیت کو خاصا سراہتے تھے۔ ان کو اس بات کا احساس تھا کہ ان زبانوں پر قدرت مشرقی لوگوں سے معاملت کرنے میں بڑی حد تک مددگار ثابت ہوتی ہے ان کی یہ پسندیدگی خالص عملی بنیادوں پر تھی اس کے پیچھے کسی قسم کی عالمانہ تحقیقی دلچسپی موجود نہیں تھی۔

آل انڈیا ریڈیو بھوپال و گوالیار سے اردو پروگرام بھی نشر کیے جائیں

صدر انجمن ترقی اردو گوالیار کا مطالبہ

انجمن ترقی اردو گوالیار کے صدر پنڈت دشوناتھ کول نے مورخہ ۱۱ر فروری کو اسٹیشن ڈائریکٹر آل انڈیا ریڈیو گوالیار و بھوپال کو ایک مراسلہ روانہ کیا جس میں اس بات پر اظہار افسوس کیا گیا کہ بھوپال اور گوالیار ریڈیو اسٹیشنوں کے پروگراموں کی فہرست میں اردو کو کوئی جگہ نہیں دی گئی، جب کہ اس صوبہ کی قابل لحاظ آبادی اردو جانتی ہے اور اردو پروگراموں کو شوق اور دلچسپی سے سننا پسند کرتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مقامی و صوبائی طور پر ایک اچھی تعداد اردو ادیبوں شاعروں اور فنکاروں کی موجود ہے جو اردو داں طبقہ کی کلچرل ضرورتوں کو پورا کر سکتی ہے اور اس کی تہذیبی آسودگی کا سبب بن سکتی ہے۔

علاوہ ازیں اردو اگرچہ اس صوبہ کی اکثریت کی زبان نہیں مگر ہندی کا قریب ترین مزاج اور شکل رکھنے کی وجہ سے سارے صوبہ میں بولی اور سمجھی جاتی ہے اس طرح اردو کی یہ خصوصیت ہندستان بھر میں ہے بلکہ یہ بالکل صحیح ہے کہ جو ہندی لکھ اور پڑھ سکتا ہے وہ اردو بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

آخر میں صدر نے آل انڈیا ریڈیو کے ذمہ داران سے اپیل کی کہ وہ اردو عوام کی ضرورت اور ان کے جائز مطالبہ کا خیال رکھتے ہوئے کم سے کم ایک گھنٹہ روزانہ اردو پروگرام نشر کرنے کی ابتدا کریں۔ آل انڈیا ریڈیو کے اس عمل سے صوبہ کے اردو ادیبوں، شاعروں اور فنکاروں کو اپنے جوہر دکھانے، ترقی کرنے اور ملک و قوم کی خدمت کرنے کے مواقع حاصل ہوں گے۔

(وفا صدیقی جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو گوالیار)

بھنڈ میں انجمن ترقی اردو کی شاخ کا قیام

مورخہ ۱۴ر فروری کو انجمن ترقی اردو مدھیہ پردیش کی بھنڈ شاخ کے قیام کے سلسلے میں ایک جلسہ جناب شکیل احمد صاحب کے دولتکدہ پر جناب شری ناتھ گوڑ کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں انجمن کی مجلس عاملہ کے عہدہ داروں کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔ کثرت رائے سے جو حضرات عہدہ دار چنے گئے ان کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں۔

سرپرست:- (۱) جناب جگ موہن لال شری واستو، سابق وزیر قانون (۲) جناب نریندر سنگھ چوہان، ایڈوکیٹ

صدر:- جناب کرشن چندر، ایڈوکیٹ

نائب صدر:- جناب عبدالحفیظ خاں صاحب

جنرل سکریٹری:- جناب حبیب احمد صاحب انجم۔ بی اے ایل ایل بی

سکریٹری:- جناب ظہیر احمد صدیقی، جائنٹ سکریٹری:- جناب محمد قاسم صاحب

خازن:- جناب محمد رشید صاحب۔

عہدہ داران کے انتخاب کے بعد ایک قرارداد کے ذریعے طے پایا کہ جلد از جلد شہر بھنڈ میں ایک اردو لائبریری قائم کی جائے اور جامعہ اردو علی گڑھ کے امتحانات کا مرکز بھی قائم کیا جائے۔ مرکز کے استحکام وغیرہ کے لیے تین ذمہ دار اشخاص کی ایک کمیٹی بنائی گئی جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) جناب نقی حسن صاحب نقوی (۲) جناب شاہد حسین صاحب (۳) جناب عبدالحفیظ صاحب۔

اس جلسے میں اردو اور ہندی کے ادیبوں وشاعروں کے علاوہ شہر کے فنکاروں اور دانشوروں نے شرکت کی جن کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں۔ پروفیسر اوستھی، پروفیسر مل، سنگل صاحب اسسٹنٹ انجینیر، عظمت حسین صاحب، سعید خاں صاحب، بجورنجی، محمود حسین صاحب، لیاقت صاحب، شہزاد احمد صاحب، حکیم اللہ صاحب، شکیل احمد صاحب، شبیر احمد صاحب، صابر صاحب، جناب حبیب الرحمن صاحب، رحیم خاں صاحب، خلیق الرحمن صاحب، رشید صاحب

(وفا صدیقی جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو گوالیار)

لکھنؤ یونیورسٹی میں جشن غالب

لکھنؤ یکم مارچ۔ یہاں اردو فارسی سوسائٹی لکھنؤ یونیورسٹی کے زیر اہتمام ہجری تقویم کے اعتبار سے غالب کی صد سالہ برسی "جشن غالب" کا انعقاد مالویہ ہال میں دوشنبہ کو کیا گیا جس میں مختلف شعبوں کے اساتذہ طلبہ معزز شہریوں اور ادیبوں شاعروں کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی۔ جلسے کی صدارت سید علی ظہیر نے کی۔

غالب کی تصویر کی نقاب کشائی کے بعد سید علی ظہیر صاحب جناب شبیہ الحسن نونہروی اور رادھے شیام رستوگی نے غالب کی شخصیت اور شاعری پر تقاریر کیں۔

اس کے علاوہ جناب اوصاف احمد اور جناب آفتاب اختر نے غالب پر اپنے مقالے پڑھ کر سنائے اور احمد جمال پاشا نے اپنا مزاحیہ بنایا جلسے کا آغاز غالب کی غزل سے ہوا جو جناب اقبال احمد صدیقی نے پڑھ کر سنائی جشن غالب کے موقع پر شعرا کی ایک بڑی تعداد نے اپنے کلام کے ذریعہ غالب کو خراج عقیدت پیش کیا۔ اس موقع پر "غالب کچھ جائزے" ایک کتاب اردو فارسی سوسائٹی کی طرف سے شائع کی گئی جس میں اردو کے مشہور ناقدین کے مضامین شامل ہیں۔ صدر اردو فارسی سوسائٹی نے یہ کتاب شعبۂ اردو کی طرف سے سید علی ظہیر کو پیش کی اور ڈاکٹر رادھا کرشنن، ڈاکٹر ذاکر حسین، پروفیسر آل احمد سرور کے پیغامات پڑھ کر سنائے گئے۔

جلسے میں دوسرے معزز شہریوں کے علاوہ ڈاکٹر اے۔ وی راؤ وائس چانسلر لفٹننٹ کرنل کوملی ناتھ ایڈیسٹ نے بھی شرکت کی۔

(قومی آواز)

معتمد عمومی ریاستی شاخ آندھرا کا بیان

حیدرآباد ۲ مارچ۔ جناب حبیب الرحمٰن صاحب معتمد عمومی انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش نے اردو جماعتوں کے قیام کے متعلق سے حسب ذیل بیان جاری کیا ہے۔

نیا تعلیمی سال شروع ہونے کے لیے اب صرف تین ماہ باقی رہ گئے ہیں۔ اور اگر تعلیمی سال کے آغاز سے مدارس میں اور خاص طور پر پرائمری مدارس میں اردو کی متوازی جماعتیں کھلوانا مقصود ہو تو اس کے لیے بہت پہلے سے کارروائی کرنی پڑتی ہے۔ اس لیے اردو والوں کا فرض ہے کہ وہ یہ کارروائی ابھی سے شروع کر دیں تاکہ آئندہ تعلیمی سال کے آغاز تک تمام ضروری مرحلے طے ہونے کے لیے کافی مہلت مل سکے۔ اردو جماعتوں کے قیام کے لیے صرف ایک دو مہینے قبل درخواستیں بھجوا دینا کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لیے مسلسل جد و جہد کرنی پڑتی ہے۔ اسی لیے اردو دوستوں سے اور انجمن کے مقامی شاخوں سے میری استدعا ہے کہ وہ اردو کی ابتدائی تعلیم کے سلسلے میں جہاں بھی اس کی ضرورت ہو تو اپنے اپنے مقامات پر پنچایت سمیتی کو تحریری طور پر صدر مدرسہ کے توسط سے درخواستیں بھجوا دیں تاکہ ان پر متعلقہ ارباب اقتدار ضروری کارروائی کر سکیں۔ اس کے علاوہ ثانوی اور اعلیٰ ثانوی تعلیم کے لیے ضلع پریشدوں اور ڈسٹرکٹ ایجوکیشنل افسروں کو اردو کی متوازی جماعتوں کے قیام کے لیے تحریری طور پر مخاطب کرتے ہوئے اپنا مطالبہ پیش کریں اور اس کی اطلاع ناظم تعلیمات حکومت آندھرا پردیش کو دیتے ہوئے انجمن کو بھی مطلع کیا جائے تاکہ متعلقہ عہدے داروں کو انجمن کی جانب سے بھی متوجہ کیا جا سکے۔

(ہری نواس لاہوٹی)

ڈاکٹر عابد حسین اور صالحہ عابد حسین سیفیہ ڈگری کالج بھوپال میں

۱۹ فروری کو جناب ڈاکٹر عابد حسین صاحب اور محترمہ صالحہ عابد حسین بھوپال تشریف لائے ان کا قیام بھوپال میں چار پانچ دن رہا۔ ۲۲ فروری کو شعبہ اردو سیفیہ کالج کی جانب سے دونوں حضرات کے اعزاز میں ایک استقبالیہ تقریب منعقد کی گئی۔

سب سے پہلے معزز مہمان جناب ڈاکٹر عابد حسین صاحب اساتذہ سیفیہ کالج سے متعارف ہوئے اور علٰحدہ علٰحدہ سب سے مصافحہ فرمایا۔ اس کے بعد جناب ڈاکٹر عبدالقوی صاحب دسنوی صاحب نے ڈاکٹر صاحب کا تعارف مختصر الفاظ میں کرایا۔ تعارف کے بعد کالج کے طلبہ نے ڈاکٹر صاحب سے چند سوالات کیے جن کے جواب ڈاکٹر صاحب نے ترتیب وار اور بہت ہی دلچسپی اور تفصیل سے دیے۔

چونکہ ڈاکٹر صاحب کا بھوپال سے گہرا تعلق رہا ہے اس لیے سب سے پہلا سوال ان سے بھوپال اور ان کے بھوپال سے تعلق کے بارے میں ہی کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ بھوپال سے میرا گہرا تعلق ہے میرے دادا مرحوم غدر کے بعد بھوپال تشریف لائے اور یہیں مدفون ہیں۔ میں بھی بھوپال کے ہی ایک محلہ ابراہیم پورہ میں پیدا ہوا میری ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوئی اور بعد میں الگزینڈرا اور جہانگیریہ اسکول میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۱۶ء میں بھوپال میں ہی میٹرک پاس کیا نواب ولیعہد بہادر صاحب نے مجھے وظیفہ دیا اور میں الٰہ آباد چلا گیا۔ وہاں سے بی۔ اے۔ پاس کرنے کے بعد میں انگلستان بغرض حصول اعلیٰ تعلیم بھوپال کے وظیفہ پر ہی گیا۔ جرمنی میں بھی بھوپال کے وظیفہ سے ہی تعلیم حاصل کی۔ جرمنی سے فلسفہ تعلیم کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد بھوپال آ کر معاہدہ کے مطابق بھوپال میں تین سال تک ملازمت کرنا چاہیے تھی مگر زمانۂ تعلیم سے ہی دل دوسری طرف مائل تھا اس لئے بیگم صاحبہ مرحوم سے درخواست کی کہ میں جامعہ ملیہ کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ جس کو بیگم صاحبہ نے فراخدلی سے منظور فرما لیا۔ اور میں جامعہ ملیہ چلا گیا۔ جہاں ۱۹۵۶ء تک کام کرتا رہا۔ اس دوران میں بھوپال آتا جاتا رہا۔ اب یہاں میرے عزیزانہ تعلقات تو ختم ہو چکے ہیں والد صاحب اور بھائی صاحب انتقال فرما چکے ہیں اور چچا صاحب پنشن لیکر وطن میں مقیم ہیں۔

دوسرے سوال کے جواب میں جو کہ بھوپال جدید اور قدیم کے فرق کے متعلق تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ بھوپال میں جاگیردارانہ نظام تھا۔ وہ ختم ہو گیا اور بھوپال بھی اب جمہوریہ ہند کا ایک جزو بن گیا۔ جاگیردارانہ نظام کے باوجود سلطان جہاں بیگم کے زمانے میں تعلیم کے محاذ پر جو ترقی ہوئی وہ یادگاری حیثیت رکھتی ہے۔ تعلیم نسواں کے معاملہ میں بھوپال پورے ملک کا مشعل راہ بنا۔ سیفیہ کالج کے ادارہ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ شخصی طور پر تعلیم کا رواج دینے کی کوشش قابل ستائش ہے۔ "بنیادی تعلیم کے بارے میں سوال کے جواب میں ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ "بنیادی تعلیم دراصل دیہات کے لیے تھی اسے بغیر سوچے سمجھے صرف سیاسی نعرے بازی پر شہر میں رائج کر دیا گیا۔ اس لیے یہ تعلیم ضرورت سے مطابق نہیں معلوم ہوتی لیکن جہاں خاص انتظام کیا گیا وہاں یہ کامیاب رہی۔"

کیا تعلیم بے روزگاری کا سبب بنی ڈاکٹر صاحب نے جواب میں فرمایا کہ یہ بہت ہی اور پیچیدہ سوال ہے۔ صنعتی ارتقاء اور آبادی میں زیادتی کے باعث پیچیدگی پیدا ہو گئی۔ روزگار کے مواقع اور وسائل فراہم کیے جا رہے ہیں۔ دس پندرہ سال کا عرصہ لگے گا۔ یہ بہت آزمائش کا عرصہ ہوگا۔ مگر مستقبل مایوس کن نہیں

ڈاکٹر صاحب کے بعد صالحہ عابد حسین نے ایک مختصر تقریر فرمائی جو بہت ہی بے باکانہ اور حقیقت پر مبنی تھی۔ موصوفہ نے اپنی تقریر میں اردو رسم الخط کی تبدیلی کے بارے میں فرمایا کہ "اردو رسم الخط تبدیل کیا گیا تو اردو ختم ہو جائے گی۔ جو زبان رہے گی اسے ہندوستانی یا آسان ہندی تو کہا جا سکتا ہے۔ مگر اردو نہیں۔" میری رائے تعصب یا تنگ نظری کی بنیاد پر نہیں بلکہ ٹھوس حقائق کی بنیاد پر ہے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی خوف نہیں کہ اردو مسلمانوں کی زبان ہے وہ غیر مسلموں کی بھی زبان ہے لیکن بنیادی طور پر اس کا رشتہ مسلمانوں سے ہے۔ اور کوئی وجہ نہیں کہ چھ کروڑ مسلمانوں کے ساتھ اس کو بھی ترقی کرنے اور زندہ رہنے کا حق نہ دیا جائے۔ موصوفہ نے فرمایا کہ جس زبان کی جڑیں کروڑوں عوام کے دلوں میں پیوست ہوں۔ اسے مٹانا کسی بھی طاقت ور حکومت کے بس کا روگ نہیں۔

تخلیقی صلاحیتوں کو نکھارنے کے لیے مادری زبان کو ترقی دینا ضروری ہے۔ اگر ایسا نہیں کیا گیا تو تخلیقی صلاحیتوں کے چشمے خشک ہو جائیں گے۔ اور مستقبل میں اردو زبان میں حالی، انیس اور پریم چند پیدا نہیں ہو سکتے۔" محترمہ صالحہ نے بڑے دکھ کے ساتھ یہ فرمایا کہ "اتر پردیش اور دلی میں ایسے مسلمان خاندان بہت سے موجود ہیں جو اپنے بچوں کو مادری زبان اس لیے نہیں پڑھاتے کہ ان کو تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد مناسب ملازمت نہیں مل سکے گی۔" انھوں نے فرمایا کہ "مجھے اس رائے سے اتفاق نہیں کہ مادری زبان میں تعلیم سے بچوں کے ذہنوں پر زیادہ زبان سیکھنے کا بوجھ پڑتا ہے اجنبی زبانوں کے مقابلہ میں مادری زبان پڑھانے سے بوجھ پڑنے کی بات صرف وہم اور کاہلی ہے۔ اگر ہم اسی کاہلی اور وہم کے شکار رہے تو پھر اردو پر فاتحہ پڑھ لینا چاہیے۔ آپ نے فرمایا کہ "اردو کی ترقی کے ساتھ ہم کو اس کا معیار بھی برقرار رکھنا چاہیے۔ نئی نسل میں صحت مندانہ ذوق کی بجائے سوقیانہ مذاق پیدا ہو رہا ہے۔ جو اچھے مستقبل کی نشاندہی نہیں کرتا۔"

محترمہ صالحہ عابد حسین کی تقریر کے بعد معزز مہمان اور شرکائے تقریب کی چائے وغیرہ سے تواضع کی گئی۔

(نامہ نگار)

دلی اور دوسرے مقامات پر اردو کو اس کا حق دینے کا مطالبہ

دلی ۷ر مارچ۔ انجمن ترقی اردو دلی اسٹیٹ کے زیر اہتمام امام الہند حضرت مولانا ابو الکلام آزاد کو ان کی آٹھویں برسی کے سلسلہ میں خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے ایک جلسہ منعقد ہوا۔

جلسہ کی صدارت پنڈت سندر لال نے فرمائی جن لوگوں نے تقریریں کیں ان میں جناب فخر الدین علی احمد نائب وزیر ریلویز لالہ شام ناتھ، ڈاکٹر سعید انصاری، جناب شہاب الحسن فاروقی شامل ہیں۔ جناب جگن ناتھ آزاد نے مولانا آزاد پر اپنی طویل نظم کا ایک اقتباس پیش کیا اور جناب غلام احمد فرقت کاکوروی نے عالم برزخ سے مولانا آزاد کا وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کے نام خط کے عنوان سے ایک طنزیہ مقالہ پڑھا۔ ابتدا میں جناب بیتاب برنی نے جلسہ کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے کہا کہ مولانا آزاد کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے اردو کو دلی یوپی اور دوسرے علاقوں میں اس کا حق ملنا چاہیے اور اس سلسلہ میں وزیر برقاب جناب فخر الدین علی احمد کو خصوصیت سے توجہ دلائی۔

جناب فخر الدین علی احمد نے حضرت مولانا مرحوم سے اپنے طویل تعلقات اور تجربات کی روشنی میں مولانا کے اوصاف بیان کرتے ہوئے کہا کہ مولانا کی ایک خوبی تو ان کا استقلال اور استقامت تھی جب کوئی فیصلہ کر لیتے تھے تو پھر اس پر ڈٹ جاتے تھے دوسرے یہ کہ وہ صاف گو تھے جو محسوس کرتے اس کا بیباکی سے اعلان کرتے۔ تیسری بات یہ ہے کہ وہ اتحاد باہمی خصوصاً ہندو مسلم اتحاد کے حامی تھے اور اس کے لیے انھوں نے مسلسل کوششیں کی ہیں اور ان کے یہ اوصاف ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔ مولانا کو خراج عقیدت پیش کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم ان اوصاف کو اپنائیں۔

نائب وزیر ریلوے لالہ شام ناتھ نے کہا کہ مولانا اتنی کم عمر میں آل انڈیا لیڈر بن گئے تھے کہ کوئی دوسرا نہیں بنا وہ گاندھی جی سے بہت پہلے سیاسی میدان میں آ گئے تھے تمام لیڈر مولانا کا احترام اور ان کے مشورے کی قدر کرتے تھے۔ پنڈت نہرو کو کسی مشورے کی ضرورت ہوتی تھی تو خود مولانا کے یہاں پہنچ جاتے تھے۔

جناب جگن ناتھ آزاد نے مولانا پر نظم کا اقتباس سنانے کے علاوہ اپنی اس نظم کے چند اشعار بھی سنائے جو آپ نے گوہاٹی میں اردو کے ایک نہایت کامیاب مشاعرے سے متاثر ہو کر کہے تھے۔ (رجیوت)

اردو کے موقف کی قانونی طور پر حفاظت کی جائے

حیدرآباد ۷ر مارچ۔ جناب حبیب الرحمن صاحب معتمد اعزازی انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش نے کہا ہے کہ انھیں جناب کرشنا ریڈی ایم۔ ایل۔ اے کے اس صحافتی بیان سے

سخت تکلیف ہوئی اور دکھ پہنچا جس کے ذریعہ انھوں نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ اردو کو علاقائی زبان کا موقف عطا نہ کیا جائے۔ اردو آندھرا پردیش کے تقریباً چالیس لاکھ لوگوں کی مادری زبان ہے۔ اس کے علاوہ مزید کئی لاکھ افراد اردو بولتے اور سمجھتے ہیں۔ آندھرا پردیش میں روزمرہ کے کاروبار کی زبان اردو ہے۔ اردو کو علاقائی زبان کا درجہ عطا کرنے کا فی الوقت کوئی سوال نہیں ہے، کیونکہ حکومت نے اس سلسلے میں پہلے ہی رسمی اعلان کر دیا ہے۔ ایک عرصہ ہوا یہ اعلان گورنمنٹ گزٹ میں شائع ہو چکا ہے۔ یکے بعد دیگرے چیف منسٹروں نے بھی اس موقف کی توثیق کر دی۔ اس وقت قانونی طور پر اس موقف کی حفاظت و نگہداشت کا سوال ہے۔ سرکاری زبان بل میں جو اسمبلی میں پیش ہے موزوں دفعات کی شمولیت کے ذریعے اردو کے موقف کی قانونی طور پر حفاظت کی جانی چاہیے۔ آندھرا پردیش میں تلگو کی فوقیت اور برتری سے ہرگز کسی کو انکار نہیں ہو سکتا اور ہر شخص اس کا معترف ہے۔

اردو بولنے والے عوام کی خواہش ہے کہ جتنا جلد ممکن ہو انگریزی کی بجائے تلگو کو نظم و نسق کی زبان کی حیثیت سے رائج کیا جائے۔

اردو والوں کا صرف یہ مطالبہ ہے کہ پردیش کے ان علاقوں میں جہاں اردو زبان بولنے والوں کی تعداد (۱۰) فیصدی ہو سرکاری مقاصد کے لیے تلگو کے ساتھ ساتھ اردو کا بھی استعمال کیا جائے اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے آندھرا پردیش لسانی مسودہ قانون میں مناسب ترمیمات کی جائیں۔

(دعوت)

تبصرے

خلیل الرحمن اعظمی

گل و سنگ

(مجموعۂ کلام خضر برنی)

خضر برنی صاحب اردو کے ایک کہنہ مشق شاعر اور ممتاز صحافی ہیں۔ ان کا کلام عام طور پر روزناموں یا ہفتہ وار اخباروں میں شائع ہوتا ہے۔ اس نوع کی شاعری بہت جلد وجود میں آتی ہے اور اس کا اثر بھی بہت جلد زائل ہو جاتا ہے لیکن خضر صاحب نے چونکہ عام طور پر غزل کو اپنا ذریعۂ اظہار بنایا ہے اور اس کی رمزیت و اشاریت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے اس لیے ان کا کلام ہمارے دل پر ایک مستقل اثر چھوڑتا ہے۔ ویسے ان کے یہاں محض سیاسی مسائل نہیں ہیں ذاتی تجربات و احساسات بھی ہیں نظمیں انھوں نے چند ہی لکھی ہیں۔ ان کے موضوعات بھی صحافتی نوعیت کے ہیں اور پیرایۂ بیان میں بھی وہ عام صحافتی شاعری سے کچھ بلند نہیں ہو سکے ہیں اس لیے مجموعے کا یہ حصہ نسبتاً کمزور ہے۔

یہ کتاب سنگم کتاب گھر دہلی سے دو روپے پچاس پیسے میں حاصل کی جا سکتی ہے۔

لوک گیت

لوک گیتوں کی تہذیبی و ثقافتی اہمیت کا احساس دنیا کے بڑے بڑے ادیبوں اور دانشوروں کو رہا ہے۔ کسی ملک کے لوک گیتوں کا مطالعہ کیجیے اس میں عوام کے دل کی دھڑکنیں سنائی دیں گی اور ان کے دکھ سکھ کی سچی اور بے لوث تصویریں نظر آئیں گی۔ بدقسمتی سے ہمارے یہاں یہ موضوع ابھی تک اچھوتا ہے۔ ایک زمانے میں ڈاکٹر اعظم کریوی نے لوک گیتوں کے اکٹھا کرنے کا کام کیا تھا اور اس موضوع پر ایک کتاب بھی شائع کی تھی۔ بعد میں اردو کے مشہور افسانہ نگار دیویندر ستیارتھی نے بڑے پیمانے پر لوک گیتوں کو جمع کرنے کا کام شروع کیا کئی مجموعے شائع کیے۔ اظہر علی فاروقی صاحب کی یہ مختصر سی کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ موصوف نے لوک گیتوں کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے اور ان علاقوں کے لوک گیت جمع کیے ہیں جہاں کی بولیاں اردو سے قریب ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ کتاب لکھ کر فاروقی صاحب نے ایک قابل قدر خدمت انجام دی ہے۔ ضرورت ہے کہ اس سلسلے کو اور آگے بڑھایا جائے۔ اگر ہندوستان کے مختلف علاقوں کے لوک گیت سلیقے سے جمع کیے جائیں اور مناسب طور پر ترتیب دیا جائے تو یہ ایک قیمتی دستاویز ہوگی۔ یہ کتاب ادارۂ انیس اردو الہ آباد نے شائع کی ہے۔ قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے ہے۔

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ، پرنٹر نصیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھاپا اور نذیر حسن پبلشر نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا۔